OPEN ACCESS
JIHĀT-UL-ISLĀM
pISSN: 1998-4472
eISSN: 2521-425X
www.jihat-ul-islam.com.pk

JIHĀT-UL-ISLĀM
Vol: 16, Issue: 01, January – Jun 2022

اسلام کا نظامِ معیشت اور اقبال کا نظریہ معیشت

Iqbal's Thinkings in the light of Economic System of Islam

Dr. Rubina Yasmin *
Government College Women University, Faisalabad
Dr. Sumaira Shafi**
Government College Women University, Faisalabad

ABSTRACT

Islam is a complete religious. It guides every aspect of life. And for Muslims, success lies in adhering to Islamic principles. Economy is very important in the development and success of any country. Islamic economic system is the best economic system in the world. The economy of a country or region is the system by which money, industry, and trade are organized. The economic system of Islam is made up of institutions, organizations and regulations. These include private property, the system of zakat and ushr, khums and kharaj, law of inheritance, agreement and charity, partnership and competition, rules of commercial transactions and responsibility of state sponsorship, etc. The rules and regulations of economics have been stated many times in the Qur'an. Iqbal mentions the economic system of Islam in his poetry and prose in various places.

Keywords: *Quran, Economy, Ushar, Zakat, Iqbal, money, trade*

اسلامی نظامِ معیشت

اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے۔ اسلام انسان کو زندگی کا مقصد بھی بتاتا ہے اور اس مقصد کو حاصل کرنے کا طریقہ بھی۔ اسلام انفرادی اور اجتماعی زندگی کے ہر پہلو اور ہر گوشہ سے متعلق رہنمائی مہیا کرتا ہے۔ اسلام کا معاشی نظام بھی ہمارے اجتماعی نظام حیات کی رہنمائی کا ذریعہ ہے۔ جاگیر داری سرمایہ داری اور اشتراکی نظام معیشت مادی نظریہ حیات کی پیداوار ہیں۔ دوسری جانب اسلام کا معاشی نظام اخلاقی نظریہ حیات سے ماخوذ ہے۔ اسلامی نظام معیشت سے مراد کسی منظّم معاشرے میں رہنے والے افراد کی معاشی احتیاجات کی تسکین کا وہ طریقہ کار ہے۔ جو قرآن وسنت کی ہدایات کے تابع ہو، ان ہدایات کے مطابق اس بات کا تعین کیا جاتا ہے کہ صرف دولت، پیدائش دولت، تقسیم و تبادلہ دولت کا کیا انداز ہو، اسلامی معاشیات وہ علم ہے جس میں اسلامی اصولوں کا اطلاق ہوتا ہے۔ جو ناانصافی کے ذریعے مادی وسائل کے استعمال کو ناجائز قرار دیتا ہے اور مادی وسائل کے استعمال کو اس انداز میں منضبط کرتا ہے کہ انسان اپنی ضروریات کی تسکین کے ساتھ ساتھ اللہ تعالی اور معاشرہ کی طرف سے عائد کردہ فرائض کی ادائیگی کر سکے۔ سید ابو اعلی مودودی نے اس سلسلے میں یوں رائے دی ہے: " اس نظام میں افراد معاشرہ کی معاشی سرگرمیاں چند اقدار سے منضبط ہوتی ہیں۔ جن میں تقوی، عدل، احسان، تعاون، اخوت اور مساوات خصوصی اہمیت کی حامل ہیں۔

یہ اقدار دائمی اور نا قابل تغیر ہیں۔ صارف، آجر اور تاجر سب کے لیے ان اقدار کی پابندی لازم ہے۔ "[1] اسلام کا معاشی نظام جن اداروں، تنظیمات اور ضوابط سے تشکیل پاتا ہے۔ ان میں نجی ملکیت کا ادارہ، نظام زکوۃ و عشر، خمس وخراج، قانون وراثت، انفاق وصدقات، شراکت ومضاربت، تجارتی لین دین کے ضابطے سود اور قمار کی حرمت، ریاست کی کفالت کی ذمہ داری وغیرہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ اسلام کے معاشی نظام کا اعلیٰ ترین مقصد اللہ کریم کے تخلیق کردہ وسائل کائنات سے استفادہ کرتے ہوئے معاشی احتیاجات کی تسکین کا ایسا انداز اختیار کرتا ہے۔ جس سے زیادہ سے زیادہ دنیوی اور اخروی فلاح حاصل ہو، اسلامی نظام معیشت کا اہم مقصد تیز رفتار معاشی ترقی کا حصول ہے۔ قرآن پاک اور احادیث میں وسائل کائنات سے بھرپور استفادہ کرنے یعنی تسخیر کائنات پر بہت زور دیا ہے۔ اس سلسلے میں خداداد قوائے علم و عمل یعنی سمع وبصر اور فواد کو بروے کار لانے پر زور دیا گیا ہے۔

اَللّٰهُ الَّذِیْ سَخَّرَ لَكُمُ الْبَحْرَ لِتَجْرِیَ الْفُلْكُ فِیْهِ بِاَمْرِهٖ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۚ[2]

اللہ وہی ہے جس نے دریا کو تمہارے تابع کر دیا تاکہ اس کے حکم سے اس میں کشتیاں چلیں اور تاکہ تم اس کا فضل تلاش کرو اور تاکہ تم شکر گزار بن جاؤ۔ انسان کے لئے لازم ہے کہ وہ وسائل کائنات سے ان کی خالق ومالک کی منشا کے مطابق استفادہ کرے اور کام کے نت نئے طریقے معلوم کرنے کے لیے سرگرداں رہے۔ یہ نقطہ نظر تکنیکی علوم وفنون کے فروغ اور ایجادات کے معرض وجود میں آنے کا باعث بنتا ہے۔ اسلام نے انسان کو حصول رزق کے لیے مقدور بھر جد وجہد کرنے پر ابھارا ہے۔ طفیلی پن اور گداگری جیسے مذموم رجحانات کی بیخ کنی کی ہے تاہم حصول معاش کے لیے حلال رزق کو لازم قرار دیا ہے چنانچہ ارشاد ہوا کہ: یٰاَیُّهَا النَّاسُ كُلُوْا مِمَّا فِی الْاَرْضِ حَلٰلًا طَیِّبًا "اے لوگوں! جو چیز میں زمین میں موجود ہیں ان میں سے حلال پاک چیزوں کو کھاؤ۔'' (البقرۃ: ۱۶۸)[3] اسلام حلال ذرائع سے کمائی ہوئی دولت پر انسان کا حق تصرف تسلیم کرتا ہے اور اس بات کی اجازت دیتا ہے بلکہ حوصلہ افزائی کرتا ہے کہ وہ اسے اپنی حقیقی ضروریات پوری کرنے کے بعد معاشرے کے دیگر افراد کو مداد یا عطیے کے طور پر دے دے لیکن دولت کے باب میں بھی اسلام معاشرہ کے اجتماعی مفاد کے تحفظ کے پیش نظر ضروری پابندیاں عائد کر دیتا ہے گویا حلال روزی پر بھی انسان کے مطلق حق تصرف کو تسلیم نہیں کیا گیا۔ حلال ذرائع سے حاصل کردہ دولت کو میانہ روی کے ساتھ صرف کرنے کی تلقین کی گئی۔ دولت کو جمع کرنے اور اسے سینت سینت کر رکھنے کے رجحانات کو پرزور الفاظ میں منع کرنے کے ساتھ اسے اللہ تعالی کی ناراضگی کا سبب قرار دیا گیا ہے۔ اسلامی معاشی نظام کا ایک اہم وصف یہ ہے کہ اس میں اس بات کا بڑا موثر اہتمام کیا گیا ہے کہ دولت چند طبقات میں محصور ومرکوز ہو کر نہ رہ جائے بلکہ معاشرے کے زیادہ سے زیادہ افراد کے درمیان گردش کرتی رہے: "رب علیم وحکیم نے قومی دولت کو مسلسل گردش میں رکھنے اور گردش کے دائرے کو جملہ افراد معاشرہ پر حاوی رکھنے کی خاطر انسان کو اکتناز واحتکار اور بخل اور سود سے منع فرمایا ہے اور زکوۃ والعفو (حسن ضرورت سے زائد مال ودولت) اسلامی حکومت کو دینے کا حکم دیا ہے تاکہ وہ کفالت اجتماعیہ کا نظام قائم کرے جو افلاس واحتیاج کو ختم کرنے کا بہترین طریقہ ہے۔ "[4]

اس سلسلے میں ایک تو صدقات واجبہ مقرر کیے ہیں جو مختلف مواقعے پر صاحب حیثیت مسلمانوں کو ادا کرنا ہوتے ہیں مثلا صدقہ فطر، نذریں اور کفارے وغیرہ لیکن اس سلسلے میں موثر ترین اقدام زکوۃ کی فرضیت ہے۔ زکوۃ ہر صاحب نصاب مسلمان مرد اور عورت پر فرض ہے۔ زکوۃ کے ذریعے ہر سال قانونی طور پر اصحاب ثروت سے ان کی دولت کا ایک معقول حصہ لے کر معاشرہ کے غربا ومساکین کی طرف منتقل کیا جاتا ہے۔ اسلام نے معاشرے میں دولت کی گردش بڑھانے کے لیے ان سرگرمیوں کی ممانعت کر دی جو اس راہ میں رکاوٹ بنتی ہیں۔ اس سلسلے میں سود کی حرمت اخاص طور پر قابل ذکر ہے کیونکہ سود بھی ذخیرۂ زر کا سب سے بڑا ذریعہ ہے، اس سے معیشت میں بحران کی کیفیت پیدا ہوتی رہتی ہے۔ اسلام نے سخت ترین الفاظ میں اس کی مذمت کی ہے بلکہ اسے فوجداری

ظلم قرار دیا گیا ہے۔ اخلاقی اعتبار سے دیکھا جائے تو سود دراصل بخل خود غرضی اور تنگ دلی جیسی صفات پیدا کرتا ہے جس معاشرے میں لوگ ایک دوسرے کی مجبوری سے فائدہ اٹھانے والے ہوں تو ایسے معاشرے میں ہمیشہ انتشار کی فضا پائی جائے گی سود کی وجہ سے معاشرے میں دولت کی تقسیم غیر منصفانہ ہو جائے گی۔ سود کی وصولی بھی سرمایہ دار طبقہ کرتا ہے اور اس طرح وہ اپنی دولت سے مزید کماتا رہتا ہے اور بجائے گردش دولت کے معاشرے میں ارتکاز دولت کی صورت پیدا ہو جاتی ہے۔

اسلام نے انفرادی ملکیت کے جو حقوق انسان کو بعض شرائط کے ساتھ عطا کیے ہیں، ان میں سے ایک ذاتی ملکیت کی اشیاء کو نفع کے حصول کی خاطر کاروبار میں لگانے کا حق بھی ہے۔ ایک فرد ذاتی سطح پر کاروبار کر سکتا ہے کسی دوسرے شخص کے ساتھ کاروبار میں شراکت بھی کر سکتا ہے۔ وہ جائز کاروبار سے منافع تو کما سکتا ہے لیکن چند حدود میں رہ کر تاکہ صارفین کا استحصال نہ ہو۔ منافع کا جواز قرآن وسنت سے ثابت ہے اور اسے اللہ کا فضل قرار دیا گیا ہے۔ اس طرح ناپ تول کے پیمانے درست اور معیار کے مطابق ہوں اشیاء خوراک اور دوسری چیزوں میں ملاوٹ کرنے اور ذخیرہ اندوزی سے منع کیا گیا ہے۔ عیب دار مال کی خرید وفروخت کے معاملے میں میں فریق ثانی کو مال کا عیب بتانے کا حکم ہے اور جھوٹی قسم کھا کر مال فروخت کرنے کی ممانعت کی گئی ہے۔ اسلامی نظام معیشت میں اجرتوں کا تعین آجروں مزدوروں اور اسلامی ریاست کے باشندوں کی باہمی بات چیت سے ہو گا اور اس سلسلے میں اصول انصاف کو پیش نظر رکھا جائے گا۔ مزدور کو اتنا معاوضہ ضرور دیا جائے کہ وہ اپنی بنیادی ضروریات کو پوری کر سکے۔ مزدوروں سے ان کی استطاعت کے مطابق کام لیا جائے اصابر نظامی اسلامی معاشی نظام کے بارے میں رقم کرتے ہیں کہ:

> اسلام ازم دوسرے شعبوں کے ساتھ ساتھ معاشی نظام بھی ہے جس میں عوام کو برابری کی سطح پر دولت تقسیم کی جاتی ہے۔ دولت مند اور غریب مزدور سرمایہ دار و جاگیر دار اور کاشتکار کا امتیاز وفرق ختم ہے۔ سب لوگ خوشحال اور مرفہ الحال ہوتے ہیں۔ کوئی جاگیر دار اور سرمایہ دار باقی نہیں رہتا۔ جو غریب عوام کا خون چوس سکے۔ کوئی غریب ایسا نہیں ہوتا کہ وہ سرمایہ دار کے ہاتھوں پیٹ کے تقاضوں سے مجبور ہو کر اپنی انا اور خودی فروخت کر دے۔ کہیں بدامنی اور خوف زدگی نہیں ہوتی قتل و غارت گری ختم ہو جاتی ہے یہ دنیا جو ظالم سرمایہ داروں اور جاگیر داروں کی وجہ سے غریب عوام کے لیے جہنم بنی ہوئی ہے وہ مسرت واطمینان کی جنت میں تبدیل ہو جاتی ہے۔[5]

الغرض اسلام نے اپنے معاشی نظام کو بھی فکر توحید ورسالت اور آخرت کے عقائد سے مستحکم کیا ہے۔ اس کے عمل کو عدل، احسان، اخوت، مساوات، تقویٰ اور تعاون وغیرہ کی اخلاقی اقدار کا پابند بنا کر معاشی جدوجہد کے میدان میں اتارا ہے۔ اس سے احساس وحدت واخوت پروان چڑھتا ہے۔ جو دینوی اور پائیدار اخروی فلاح کا مجموعہ ہے۔

اقبال کے معاشی تصورات اور سماجی انصاف

اقبال نے برصغیر کی غلامی کے ایام میں آنکھ کھولی، اس وقت انگریز کی تہذیبی اور معاشی استعماریت عروج پر تھی، مشرق پر اس کی حریص نظریں گڑی ہوئی تھیں اور برصغیر اس کا براہِ راست ہدف تھا۔ یہ سب مسلمانوں کے داخلی انتشار، بے حسی اور سہل پسندی کا نتیجہ تھا۔ مسلمان قوم خود اپنے ملی شعور کو مجروح کرنے پر تلی ہوئی تھی گویا امت اسلامیہ عالم پیری سے گزر رہی تھی۔ اقبال ان مسلم مفکرین میں سے ہیں جنہیں اس صدی کے آغاز ہی میں مغربی تہذیبی ومعاشی خلفشار اور استعماری رویے کا تنقیدی جائزہ لینے کا موقع ملا۔ جس میں انہیں ایسے محرکات نظر آئے جو ایک طرف اقوام مشرق کے لیے تباہ کن تھے تو دوسری جانب مغرب کی تباہی پر بھی شاہد تھے۔

اقبال کو معاشیات کے موضوع سے گہری دلچسپی تھی حالانکہ دوران تعلیم انہوں نے اس علم کا با قاعدہ مطالعہ نہیں کیا تھا۔ تاہم وہ اپنے ذاتی مطالعے کی وجہ سے اقتصادی و معاشی مسائل و نظریات کو خوب اچھی طرح سمجھنے لگے تھے اقبال نے مشاہدہ کیا کہ اگر رعایا کے ایک طبقے میں تو ہن برستا ہو، دولت سے اس کی تجوریاں بھری رہیں اور دوسرا طبقہ فاقوں سے جان بلب ہو، تو یہ صورت حال سماجی انصاف کے تقاضوں کے سراسر منافی ہے۔ اقبال نے اس صورت حال سے پیدا ہونے والے انتشار کو روکنے اور معاشی مسائل کے حل کے لیے کئی تجاویز دیں۔ "علم الاقتصاد' کے عنوان سے اقتصادیات کے موضوع پر اردو زبان میں پہلی کتاب اقبال نے تصنیف کی۔ تاہم اقبال خود کسی معاشی نظریے کے بانی تو نہیں تھے مگر وہ شاعر فلسفی اور بلند پایہ مفکر تھے۔ علم الاقتصاد دراصل غربت وافلاس اور معاشی و سماجی ناانصافی کے خلاف احتجاج تھا۔ علم الاقتصاد کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ اقبال نے اپنے عہد کے مروجہ معاشی نظریات کا تجزیہ کرتے ہوئے ان پر تنقید بھی کی ہے۔ اقبال نے محمد علی جناح کے نام پر اپنے خطوط میں بھی اقتصادی امور پر بحث کی ہے اور دور حاضر کے سماجی تقاضوں سے مناسبت رکھنے والے معاشی نظام کو اپنی ضرورتوں کے مطابق اختیار کرنے پر بھی زور دیا ہے۔ اقبال نے اپنی نظم ونثر دونوں میں اقتصاد و معاش کے مسائل پر خاص توجہ دی ہے۔ بیسویں صدی کے پہلے عشرے سے ہی اقبال مسلمانوں کی غربت وافلاس کی دردناک حالت سے شدید طور پر متاثر تھے۔ دوسری قوموں کے مقابلے میں مسلمانوں کی دولت سے محرومی اور معاشی پستی کا انہیں شدید طور پر احساس تھا۔ اپنی مشہور نظم شکوہ میں انہوں نے اس کا اظہار ان الفاظ میں کیا ہے:

رحمتیں ہیں تیری اغیار کے کاشانوں پر — ابرق گرتی ہے تو بیچارے مسلمانوں پر
یہ شکات نہیں، ہیں ان کے خزانے معمور — نہیں محفل میں جنہیں بات بھی کرنے کا شعور
کیوں مسلمانوں میں ہے دولت دنیا نایاب؟ — تیری قدرت تو ہے وہ جس کی نہ حد ہے نہ حساب
طعنِ اغیار ہے رسوائی ہے ناداری — کیا تیرے نام پہ مرنے کا عوض خواری ہے؟(ب، د:194)

اقبال نے علم الاقتصاد' کے دیباچے میں لکھا ہے کہ:

"اہل ہندوستان کے لیے تو اس علم الاقتصاد کا پڑھنا اور اس کے نتائج پر غور کرنا نہایت ضروری ہے کیونکہ یہاں مفلسی کی عام شکایت ہو رہی ہے۔ ہمارا ملک کامل تعلیم نہ ہونے کی وجہ سے اپنی کمزوریوں اور ان تمدنی اسباب سے بالکل ناواقف ہے جن کا جاننا قومی فلاح اور بہبودی کے لیے اکسیر کا حکم رکھتا ہے، انسان کی تاریخ اس امر کی شاہد ہے کہ جو قومیں اپنے تمدنی اور اقتصادی حالات سے غافل رہی ہیں ان کا کیا حشر ہوا ہے۔"[6]

اقبال کے نزدیک مفلسی اور تنگ دستی ایک لعنت ہے۔ جس میں مبتلا ہو کے انسان انسان نہیں رہتا۔ انہوں نے اسی کتاب کے دیباچے میں یہ رائے دی ہے۔" غریبی قویٰ انسانی پر بہت بڑا اثر ڈالتی ہے بلکہ بسا اوقات انسانی روح کے مجلّہ آئینہ کو اس قدر زنگ آلود کر دیتی ہے کہ اخلاقی اور تمدنی اعتبار سے اس کا وجود و عدم برابر ہو جاتا ہے۔ "[7] اقبال ایک زرعی ملک میں پیدا ہوئے اور صوبہ پنجاب، جو ان کا جائے پیدائش ہے یہاں کے زیادہ تر افراد زراعت کے پیشے سے ہی وابستہ تھے اس عہد میں زراعت جاگیر دارانہ نظام اور عدم انصاف واستحصال کا شکار تھی۔ جاگیر داروں کا کاشتکاروں پر جور وستم، ساہوں کاروں کا مقروضوں پر جبر ہی سب کچھ اقبال کی آنکھوں کے سامنے تھا۔ بڑے سرمایہ داروں کی تجارت کے نام پر اپنے سرمائے کی طاقت سے بازاروں منڈیوں پر اجارہ داری، ذخیرہ اندوزی اور حصول منافع کے دیگر تمام غیر منصفانہ طریقے سب سامنے کی باتیں تھیں۔ وکالت پیشہ ہونے کی وجہ سے اقبال کو عدالتی و انتظامی اور معاشی انداز فکر اور طریقہ کار کا علم ہو گیا تھا۔ اسی لیے انہوں نے اپنی اولین تصنیف سے لے کر آخری مجموعہ کلام اور خطوط میں معاشی ناہمواریوں کے موضوع پر بے شمار بصیرت

افروز خیالات پیش کیے ہیں۔انسانی زندگی میں زراعت کی اہمیت کے پیش نظر اقبال نے زندگی بھر اپنی تمام نثری اور شعری تصانیف میں زراعت اور دہقان کے حالات بہتر بنانے کے لیے آواز بلند کی۔ دہقان کی مظلومیت اور ان کی زندگی کے گوناگوں مسائل ہمیشہ اقبال کی سوچ وبچار کا ایک اہم موضوع بنے رہے اور ان مسائل میں آپ کی گہری ذاتی دلچسپی کا یہ عالم رہا کہ آپ کے مجموعہ کلام میں اس نوعیت کے اشعار ملتے ہیں :

دہقان ہے کسی قبر کا اگلا ہوا مردہ　　　　بوسیدہ کفن جس کا ابھی زیر زمین ہے

جان بھی گرو غیر، بدن بھی گرو غیر　　　　افسوس کہ باقی نہ مکاں ہے نہ مکیں ہے (ض-ک: ص663)

دہقان کی معاشی بدحالی وسماجی ابتری کی جو تصویر اقبال نے ان اشعار میں کھینچی ہے اس سے دہقان کے ساتھ روا رکھے جانے والے ظلم کا اندازہ لگانا بہت آسان ہو جاتا ہے۔اقبال کے نزدیک دہقان کی زندگی موت سے بھی بدتر ہے "خفتگان خاک" سے ان کے یہ استفسار کے مرنے کے بعد وہقان کو آرام وسکون اور چین میسر ہوتا ہے کہ نہیں؟ دہقان کو سماجی ناانصافی غربت وافلاس کی ایک مستقل علامت بنا دیتی ہے۔

اس جہاں میں اک معیشت اور سو افتاد ہے　　　　روح کیا اس دیس میں اس فکر سے آزاد ہے؟

کیا وہاں بجلی بھی ہے! دہقان بھی ہے خرمن بھی ہے　　　　قافلے والے بھی ہیں؟اندیشہ رہزن بھی ہے؟(ب-د: ص70)

اقبال جاگیرداری نظام سے سخت بیزار تھے ان کے خیال میں یہ نظام ایک صحت مند، معاشی اور معاشرتی نظام جس کی بنیاد میں عدل وانصاف پر قائم ہو، اس میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔ جاگیرداری نظام کی وجہ سے مزارعین کی روز افزوں غربت انہیں غیر انسانی سطح پر زندگی بسر کرنے پر مجبور کر رہی تھی۔ دہقان خودی کی نشوونما کی طرف توجہ دیئے بغیر ساری زندگی جسم وجان کے رشتے کو برقرار رکھنے کی تگ ودو میں گزار دیتے تھے۔مسئلہ ملکیت زمین سے بھی اقبال کو ہمیشہ دلچسپی رہی علم الاقتصاد میں اس مسئلے پر بھی اظہار خیال کیا گیا ہے۔ ان کے خیال میں زمین چونکہ کسی خاص فرد یا قوم کی محنت کا نتیجہ نہیں بلکہ اللہ تعالی کا بنی نوع انسان کے لیے ایک مشترکہ تحفہ ہے۔اس لیے قوم کے ہر فرد کو اس پر مساوی حق ملکیت حاصل ہے۔ جاگیرداری کی مخالفت میں انہوں نے اس کتاب میں یوں دلیل دی ہے۔" جوں جوں آبادی بڑھتی ہے ضرورت ان زمینوں کو کاشت میں لانے پر مجبور کرتی ہے جو اس سے پہلے غیر مزروعہ پڑی تھیں جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جو زمینیں افزائش آبادی سے بیشتر کاشت کی جاتی تھیں ان کا لگان بڑھ جاتا ہے۔ زمیندار روز بروز دولت مند ہوتے جارہے ہیں حالانکہ یہ مزید دولت جو انہیں ملتی ہے نہ ان کی ذاتی کوشش کا نتیجہ ہوتی ہے اور نہ ہی زمینوں کے محاصل کی مقدار بڑھنے سے، بلکہ صرف آبادی کی زیادتی سے پیدا ہوتی ہے ..... اگر یہ فائدہ ان کی ذاتی کوششوں یا ان کی زمینوں کے محاصل بڑھ جانے کا نتیجہ ہوتا تو کوئی بات تھی لیکن جب ان کی دولت مندی کے یہ اسباب نہیں ہیں تو صاف ظاہر ہے کہ ان کی یا میری صریحاً اصول انصاف کے خلاف ہے۔"[8]

اس اقتباس سے یہ حقیقت کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ اقبال جاگیردار کے بغیر محنت، مزید دولت مند بننے کو شدید ناانصافی تصور کرتے ہیں۔اقبال نے زمین کی ملکیت کے بارے میں ہر دور میں کسی نہ کسی رنگ میں اظہار خیال کرتے ہوئے کہا ہے کہ زمین جاگیردار کی نہیں بلکہ اللہ تعالی کی ہے لہٰذا اس کا حقیقی وارث صرف وہی شخص ہے جو اپنے خون پسینے سے اس میں تخم ریزی کرتا ہے۔ قرآنی آیت "الارض اللہ" کے معانی میں وہ بڑی وسعت پاتے ہیں۔وہ کہتے ہیں کہ زمین اللہ تعالی کی امانت ہے لہٰذا وہ اس بات پر زور دیتے ہیں اور کسی فرد، جاگیردار، بادشاہ یا حکومت کا زمین پر ایسا حق تسلیم کرنے کے روادار نہیں جو سماجی عدل وانصاف اور مفاد عامہ کے خلاف ہو لہٰذا وہ فرماتے ہیں۔

تکرار تھی مزارع و مالک میں ایک روز — دونوں یہ کہہ رہے تھے میرا مال ہے زمین
کہتا تھا وہ کرے جو زراعت اس کا کھیت — کہتا تھا یہ کہ عقل ٹھکانے تیری نہیں
پوچھا زمیں سے میں نے کہا ہے کس کا مال تو — بولی مجھے تو ہے فقط اس بات کا یقیں
مالک ہے یا مزارع شوریدہ حال ہے — جو زیر آسمان ہے وہ دھرتی کا مال ہے۔ (ب د: ص323)

اقبال نے بنیادی وسائل، دولت اور زمین محض اللہ کا ملک قرار دیا ہے۔"اقبال دیہی مزدور جسے عرف عام میں دہقان کہا جاتا ہے کی حالت سے مطمئن نہ تھے وہ ایک ایسی طبقاتی تقسیم اور استحصال کی چکی تلے پس رہا تھا۔ جسے کوئی بھی با ضمیر انسان برداشت کرنے کے لیے تیار نہ تھا۔"[9] اقبال کے نظام معیشت میں یہ خیال اصول کا درجہ رکھتا ہے کہ محنت کے پھل پر صرف محنت کرنے والے کا حق ہے وہ اس بات کو کھلی ناانصافی تصور کرتے ہیں کہ ایک شخص دوسرے کی محنت پر پیش کرے اور محنت کش دو وقت کی روٹی کے لیے ترستا رہے۔ ان کے نزدیک مانگنے والے خواہ صدقہ مانگے یا خراج بہر حال گدا ہے اور اس اعتبار سے میر و سلطان سب گدا ہیں۔ مے کدے میں ایک دن ایک رندِ زیرک نے کہا:

ہے ہمارے شہر کا والی گدائے بے حیا — تاج پہنایا ہے کس کی بے کلاہی نے اسے
کس کی عریانی نے بخشی ہے اسے زریں قبا — اس کے آب لالہ گوں کی خون دہقاں سے کشید
تیرے میرے کھیت کی مٹی ہے اس کی کیمیا — اس کے نعمت خانے کی ہر چیز ہے مانگی ہوئی
دینے والا کون ہے؟ مرد غریب و بے نوا — مانگنے والا گدا ہے صدقہ مانگے یا خراج
کوئی مانے یا نہ مانے میر و سلطان سب گدا — (ب-ج: ص444)

اقبال کے یہ انقلابی خیالات اس امر کی عکاسی کرتے ہیں کہ وہ کسان کی زندگی میں اپنے حقوق اور بے انصافی کے خلاف شعور بیدار کرنا چاہتے ہیں جس سے معاشرے میں دولت کی غیر منصفانہ تقسیم کا خاتمہ ہو سکتا ہے۔ اقبال کے معاشی نظریے میں مذہب کلیدی حیثیت رکھتا ہے۔ مذہب اسلام جیسے معاشرتی زندگی کے لیے عقائد و عبادات کا نظام تجویز کرتا ہے۔ یہ عبادات و عقائد توحید، رسالت، نماز، روزہ، حج، زکوۃ وغیرہ ہیں بیسارا نظام عبادات انسان کا رابطہ خدا سے قائم کرنے کا ایک وسیلہ ہے چنانچہ معاشی نظام میں بھی یہی کیفیت موجود ہے اکل حلال اور انفاق (یعنی خرچ کرنا) ان دونوں عقیدوں کی مدد سے معاش میں تطہیر کا پہل شروع ہو جاتا ہے جو معاشرے میں سرمایہ داری نظام جیسی خرابیوں کو پیدا نہیں ہونے دیتا۔ دیگر تمام معاشی نظام صرف مال و دولت کی منصفان تقسیم پر زور دیتے ہیں۔ جو معاشرے میں ٹھوس بنیادوں پر تبدیلی نہیں لاتے، یہی تبدیلی صرف اسلامی نظام معیشت کو اپنانے اور اس کے نفاذ سے ہی ممکن ہے۔ یہ اسلامی معاشی نظام کے نفاذ کا ہی اثر تھا کہ اسلام کے ابتدائی ادوار میں زکوۃ دینے والے لوگ تو بے شمار تھے مگر لینے والا کوئی نہیں تھا، کیونکہ روحانی تربیت کی وجہ سے ہر شخص اپنی جگہ پر حلال روزی کمانا اپنی معاشی اور مذہبی ذمہ داری خیال کرتا تھا۔ اقبال اسی معاشی انقلاب کو دوبارہ معاشرے میں برپا ہوتا دیکھنا چاہتے ہیں ۲۱ مارچ ۱۹۳۲ کو لاہور میں آل انڈیا مسلم کانفرنس کے سالانہ اجلاس کی صدارت کرتے ہوئے اقبال نے اپنے معاشی موقف کی وضاحت ان الفاظ میں فرمائی:

"ایشیاء اپنی انفرادیت کے ساتھ مغربی سرمایہ دارانہ نظام کو چھو نہیں سکا تم اپنے اندر جو اعتقاد رکھتے ہو، وہ فرد کی اہمیت کا قائل ہے اور اس چیز کے لئے مساعی ہے کہ خدا اور انسان کی خدمت کر سکو۔ اس کے امکانات ابھی پوری طرح وجود میں نہیں آئے۔ وہ اب بھی ایک نئی دنیا پیدا کر سکتا ہے۔ جہاں ذات، رنگ یا دولت کے پیمانہ سے اس کی عظمت کو ناپا نہیں جاتا۔ بلکہ اس کی طرزِ زندگی سے جہاں غریب امیروں پر ٹیکس عائد کرتے ہوں۔ جہاں انسانی سوسائٹی شکم کی

مساوات پر نہیں بلکہ روحوں کی مساوات پر قائم ہو۔ جہاں ایک اچھوت بادشاہ کی لڑکی کو عقد میں لا سکتا ہو، جہاں ذاتی ملکیت ایک امانت ہو۔ جہاں اس طور پر اکتناز دولت کا امکان نہ ہو کہ وہ دولت پیدا کرنے والے پر چھا جائے۔" [10]

اقبال نے مسلمان قوم کو اسلام کے اقتصادی پہلوؤں سے روشناس کرانے کی بھرپور سعی کی تا کہ مسلمانوں کو غربت وافلاس سے نجات دلائی جائے۔ علامہ اقبال کو یقین تھا کہ ایک نہ ایک دن ایشیاء کی مجبور و مقہو قومیں مغرب کے استحصال پر مبنی غیر منصفانہ نظام معیشت کی گرفت کو کمزور بنا دیں گی لیکن اس کے لیے ضروری ہے کہ مسلمان قوم اسلام کے معاشی نظام کو عملی زندگی میں رائج کرنے کی بھرپور کوشش کریں۔ اقبال نے جہاں معاشیات کے میدان میں دیگر قوموں کا مقابلہ کرنے کے لیے اچھے شہری، اچھے ہنر منداور اچھے اہل حرفہ پیدا کرنے کی ضرورت پر زور دیا وہیں یہ بھی کہا کہ اس مقصد کے حصول کے لیے اچھے اور پکے مسلمان بننا زیادہ ضروری ہے جب مسلمانوں نے اس طرف توجہ دی وہ خوشحالی اور معاشی آسودگی کی نعمتوں سے بہرہ ور ہوئے اور جب بھی انہوں نے اسلامی تعلیمات سے انحراف کیا، تو آخرت کے خسارے کے ساتھ دنیا میں بھی نقصان اور گھاٹے کا سامنا کرنا پڑا۔ حتیٰ کہ دو وقت کی روٹی کا بھی محتاج ہونا پڑا، قائد اعظم محمد علی جناح کے نام ایک خط میں روٹی کے مسئلے کا ذکر کرتے ہوئے وہ اس بات کی طرف توجہ دلاتے ہیں کہ:

"روٹی کا مسئلہ روز بروز شدید تر ہوتا چلا جا رہا ہے۔ مسلمان محسوس کر رہے ہیں کہ گذشتہ دو سال سے ان کی حالت مسلسل گرتی جا رہی ہے۔ مسلمان سمجھتے ہیں کہ ان کے افلاس کی ذمہ داری ہندو کی ساہوکاری و سرمایہ داری پر عائد ہوتی ہے لیکن یہ احساس کہ ان کے افلاس میں غیر ملکی حکومت بھی برابر کی حصہ دار ہے اگرچہ ابھی قوی نہیں ہوا، لیکن یہ نظریہ بھی پوری شدت اور قوت حاصل کر کے رہے گا۔" [11]

علامہ اقبال جہاں علمی اعتبار سے اسلامی معاشیات کی تجدید نو کی طرف توجہ دلا رہے تھے وہاں انہوں نے معاشرے کے عملی مسائل اور مسلمانوں کی معاشی حالت کی طرف سے بھی اغماض نہیں برتا۔ وہ معاشرے کی ابتری سے اچھی طرح آگاہ تھے وہ چاہتے کہ اس صورت حال کو بدلنے کے لیے موثر اقدامات کیے جائیں۔ اس لیے وہ ان تمام مسائل کو مذہب کی روشنی میں حل کرنے کے خواہاں ہیں کیونکہ مذہب ہی ان معاشی مسائل کا پائیدار حل تجویز کرتا ہے۔ اقبال نے اپنے دور کے تمام معاشی نظاموں کا اور اہم فلسفیوں کا تفصیلی مطالعہ کیا۔ اس کے بعد وہ اس فیصلے پر پہنچے کہ صرف اسلام ہی مسلمانوں کے گھمبیر معاشی مسائل کا حل پیش کرتا ہے وہ معاشرے میں ہر قسم کی ناانصافی کا خاتمہ کر کے عدل وانصاف پر مبنی معاشرہ قائم کرتا ہے۔ مولانا صلاح الدین اقبال کے تصور معیشت کے بارے میں رقمطراز ہیں:

"اقبال نے معیشت کا ایک نکھرا ہوا تصور ہمارے سامنے رکھا لیکن مقام حیرت وافسوس ہے کہ جس طرف دیکھو دار و گیر اور حرص و ہوا کا بازار گرم ہے۔ آج آپ کو اپنے گرد جتنے چہرے نظر آتے ہیں۔ ان میں سے بیشتر کی پیشانیوں پر "ھل من مزید" کا عنوان خط بے نشان میں لکھا ہوا نظر آئے گا آج اقبال کے تصور کی مملکت میں قریب قریب ہر شخص ایک ہی دھن میں گم اور ایک ہی لگن میں مگن ملے گا اور وہ حسن و لگن حصول زر اور تلاش دولت کے سوا اور قطعاً کچھ نہیں ہو گی۔" [12]

مختصراً ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اقبال کے اقتصادی خیالات اسلام کے تابع ہیں اور اسلام کے معاشی احکام محض معاشیات کے مسائل نہیں بلکہ زندگی کا جزو ہیں یعنی یہ معاشی نظام ایک خاص اخلاقی و روحانی دستور العمل کے تابع ہے۔ اقبال مزدور و سرمایہ دار اور دہقان و جاگیر دار کے درمیان منصفانہ معاشی نظام قائم کرنا چاہتے ہیں۔ وہ سرمائے کی نفی نہیں کرتے، بلکہ سرمائے اور محنت میں خوش دلانہ تعاون پر زور دیتے ہیں تا کہ سماجی انصاف کے تقاضے احسن طریقے سے پورے ہو سکیں

حوالہ جات

[1]سید ابواعلیٰ مودودی، "اسلام اور جدید معاشی نظریات"، لاہور: اسلامک پبلی کیشنز، 1987ء، 12

Syed Abu-ul-Ala Mododi,"Islam oar Jadeed Muaashi Nazriyat", Lahore:Islamic Publications, 1987,12

[2]قرآن، الجاثیہ:45:12

Quraan, Al-Jasia:12:45

[3]قرآن، البقرہ:168:2

Quraan, Al-Baqara:2:168

[4]نصیر احمد ناصر، ڈاکٹر، "اسلامی معاشرے کی تعمیر نو"، لاہور: فیروز سنز، 1989ء، 108

Naseer Ahmad Nasir, Dr, "Islami Nuaashry ki Taameer-eNo" Lahore: Feroz Sons,1989,108

[5]صابر نظامی، "اسلام اور کمیونزم"، لاہور: ادارہ تفہیم السلام، س ن، 46

Sabir Nizami,"Islam oar Comunism", Lahore:Adara Tafheem-ul-Islam, SN,46

[6]محمد اقبال، "علم الاقتصاد"، لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، 1977ء، 32

Muhammad Iqbal,"Ilm-ul-Iqtsaad,Lahore: Iqbal Academy Pakistan, 1977,32

[7]محمد اقبال، "علم الاقتصاد"، 31

Muhammad Iqbal,"Ilm-ul-Iqtsaad,31

[8]محمد اقبال، "علم الاقتصاد"، 152

Muhammad Iqbal,"Ilm-ul-Iqtsaad,152

[9]مظفر حسین ملک، ڈاکٹر، "اقبال اور ثقافت"، لاہور: اقبال اکادمی، 1982ء، 84

Muzafar Husain Malik,DR, "Iqbal oar Saqafat", Lahore:Iqbal Academy, 1982,84

[10]لطیف احمد خان شیر وانی، مرتبہ: "حرفِ اقبال"، اسلام آباد: علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، 1984ء، 66

Latif Ahmad Khan Sherwani, Murattba:"Harf-e-Iqbal", Islamabad:AIOU,1984,88

[11]سید مظفر حسین برنی، مرتبہ: "کلیات مکاتیبِ اقبال"، لاہور: ادارہ ادبی دنیا، 1967ء، 79

Syed Muzaffar Husain Burni, Murattba:"Kulyat Makateeb-e-Iqbal", Lahore:Adara Adbi Dunia, 1967,79

[12]مولانا صلاح الدین احمد، "تصوراتِ اقبال"، لاہور: ادارہ ادبی دنیا، 1967ء، ص79

MOlana Salah-u-Din Ahmad,"Tasawrat-e-Iqbal", Lahore:Adar Adbi Dunia,1967,79